کلاسیکی موسیقی کے پاکستانی گھرانے

ڈاکٹر جواز جعفری*

Abstract:

Thinking of "The Gharana", We deem Concept of a well prosperous and happy family. In the Art of Music "Gharana" is purely a scholarly and Cultural term.

Muslims introduced "Gharana Gayke" in India. Gharana conventions of replaced previously established Matts and 'Banies'. Ashonishingly, no hindu singer established any Gharana. Rather all great hindu singers attached to Muslim Gharanas. In this article important questions have been raised. That may deal Gharana and its nature, how Gharana comes into being, which plays more effective role in Gharana making; is its either time factor or style.

In this artical I discused those Gharanas wich are baised on Pakistani homeland. These Gharanas estabilshed great traditions of clasical music in Pakistan.

ہماری روزمرّہ زندگی میں گھرانے کا لفظ بنیادی سماجی اکائی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔یعنی خونی رشتوں کا ایک ایسا مجموعہ جو چھوٹے بڑے، دور اور قریب کے رنگارنگ رشتوں پر مشتمل ہومگر کلاسیکی موسیقی کی دنیا میں گھرانہ ایک علمی وتہذیبی اصطلاح کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہاں گھرانہ خونی اور غیر خونی رشتوں پر مشتمل فنکاروں کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو کلاسیکی گائیکی کے ایک خاص انداز یا اسلوب کو نسل در نسل آگے بڑھانے کے لیے کوشاں ہوں۔ مسلمانوں کے برصغیر میں وارد ہونے سے پہلے یہاں متوں اور بانیوں کے تصورات رائج تھے مگر مسلمانوں نے

* صدر شعبہ اُردو، ایم۔اے۔او کالج، لاہور

ہندوستانی اور ایرانی موسیقی کے تال میل سے برصغیر میں گھرانے کا نظام متعارف کرایا۔ گھرانہ گائیکی کے نتیجے میں برصغیر میں گائیکی کے بے شمار دبستان وجود میں آئے اور ان گھرانوں نے گائیکی کے اپنے اپنے اسالیب کے ذریعے کلاسیکی موسیقی کی ترویج میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

یوں تو پاکستان اور ہندوستان میں کلاسیکی موسیقی کے بے شمار گھرانے پائے جاتے ہیں۔ مگر اس مختصر سے مضمون میں صرف انہی گھرانوں کو زیرِ بحث لایا جائے گا جن کی جائے پیدائش ان علاقوں میں واقع تھی جو تقسیمِ ہندوستان کے وقت پاکسان کے حصے میں آئے یا پھر ان گھرانے کے فنکاروں نے ہندوستان میں قیام کرنے کی بجائے پاکستان کی طرف ہجرت کی اور پاکستان میں آباد ہو جانے کے بعد اپنے اپنے گھرانوں کو نئے سرے سے منظّم کیا۔

اگرچہ قیام پاکستان سے قبل کلاسیکی موسیقی کے درمیان کوئی دیوار نہیں اُٹھائی گئی تھی اور نہ ہی اسے ہندو مسلم خانوں میں تقسیم کرنے کی نوبت آئی تھی بلکہ ہندو مسلم گویّوں نے پچھلے ہزار سال سے موسیقی کی ترویج میں مل کر حصہ لیا تھا مگر قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جہاں بہت سی دوسری چیزوں کو پاکستانیات کے رنگ میں رنگا گیا وہیں کلاسیکی کی موسیقی کو بھی مشرف بہ اسلام کرنے کی کاوشوں کا آغاز کر دیا گیا۔ ان کاوشوں کے دوران ایک طرف تو کلاسیکی موسیقی کی بندشوں میں سے ہندومت کے دینی اور ثقافتی مظاہر کو نکال باہر کر کے ان میں اسلامی شعائر بھرتی کرنے کی مہم کا آغاز ہوا اور دوسری طرف بعض دُھرپد گانے والے گھرانوں کے فنکاروں کو خصوصی تعصب کا نشانہ بنایا گیا۔ موسیقی کو مختلف خانوں میں بانٹنے والے ان افراد اور اداروں کی اس مہم کے نتیجے میں کلاسیکی موسیقی ایک نئے بحران کا شکار ہو گئی۔ کلاسیکی موسیقی کے بارے میں شروع دن سے معاندانہ روّیہ اختیار کیا گیا کبھی اس کا تعلق عیش و نشاط کے ساتھ جوڑا گیا اور کبھی اسے غیر شرعی سرگرمی کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس غیر دوستانہ ماحول کے باوجود بھی موسیقی کے مختلف گھرانوں نے اپنا کام جاری رکھا اور اپنے اپنے گھرانے کی گائیکی کے مخصوص اسالیب اور رنگوں کو آگے بڑھاتے رہے۔ یہاں ہم پاکستان میں واقع موسیقی کے ان گھرانوں کے تاریخی پس منظر، مختلف فنکاروں کے شخصی حالات اور ان کی گائیکی کے اسالیب کا مطالعہ پیش کریں گے۔

1- گوالیار گھرانہ:

گوالیار (مدھیہ پردیش) ہندوستان کا ایک ایسا شہر ہے جو ہمیشہ سے ہر طرح کی موسیقی اور سیاسی اقتدار کا مرکز رہا ہے۔ نہ صرف گوالیار کے لوگ موسیقی کے اعلیٰ ذوق سے آراستہ تھے بلکہ یہاں کا راجا مان سنگھ (۱۴۸۵ء- ۱۵۱۶ء) خود بھی ایک بڑا موسیقار تھا۔ یہ زمانہ دھرپد کے عروج کا زمانہ تھا مگر کرناٹکی زبان میں ہونے کی وجہ سے دھرپد گانا آگرہ اور گوالیار کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا چنانچہ راجا مان سنگھ نے موسیقی کے شائقین کی سہولت کے

لیے بہت سے دُھر پد کرناٹکی سے گوالیاری زبان میں تصنیف کرائے اور یوں یہ گانا گوالیار، آگرہ اور اس کے گردو نواح میں مقبول ہوا۔

علاوہ ازیں گوالیار کے راجا کا ایک اور کارنامہ بھی موسیقی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ہندوستانی اور ایرانی موسیقی کے ملاپ سے کلاسیکی موسیقی میں جو فنی جھول پیدا ہو گیا تھا راجا مان سنگھ نے اس فنی جھول کو ختم کرنے کے لیے اس عہد کے عظیم گوّیوں (نائیک محمود، نائیک مچھو، نائیک بھنو، نائیک لوہنگ اور نائیک کرن) پر مشتمل ایک کمیشن قائم کیا تا کہ دونوں خطوں کی موسیقی کے ملاپ سے پیدا ہوا نے والے فنّی جھول کو ختم کیا جا سکے۔اس سے قبل اسی قسم کا کام عربی اور ایرانی موسیقی کے اختلاط کے حوالے سے عرب کا ایک ذہین موسیقار سعید ین ابن مسجعہ بھی کر چکا تھا(۱)۔ گوالیار کو ایک اور قابل فخر اعزاز بھی حاصل ہے کہ دربارِ اکبری کے سب سے قابلِ فخر گائیک میاں تان سین (۱۵۸۹ء) کا تعلق بھی گوالیار ہی سے تھا۔ گویا گوالیار نہ صرف دھرپد اور خیال گائیکی کا قدیم ترین مرکز رہا، بلکہ اسے بہت سے گھرانوں کا سرچشمہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے(۲)۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آج کے بہت سے خیال گانے والے گھرانوں کی جڑیں گوالیار گائیکی میں پیوست ہیں۔ ایک روایت کے مطابق خیال گائیکی کے اس قدیم ترین گھرانے کے بانی استاد غلام رسول خان ہیں جن کا تعلق لکھنؤ سے تھا اور ٹپّہ کے موجد میاں غلام نبی شوری رشتے میں ان کے بھتیجے تھے۔ اگرچہ آج یہ گھرانہ استاد حدو حسّو خان کے حوالے سے شہرت رکھتا ہے مگر اس گھرانے کے ایک نامور فنکار استاد نتھن پیر بخش نے گوالیار گھرانے کی روایات سازی اور گھرانے کو انفرادی خدوخال عطا کرنے میں نمایاں ترین کردار ادا کیا۔

استاد نتھن پیر بخش خان ایک طرف استاد حدو حسّو خان کے نانا اور دوسری طرف استاد غلام رسول خان کے پڑپوتے تھے۔ یہ وہی استاد غلام رسول خان ہیں جو اپنی تان بازی کے لیے خصوصی شہرت رکھتے تھے۔ استاد نتھن پیر بخش کے والد استاد مکھن خان اور چچا شکر خان دونوں نہ صرف اعلیٰ پائے کے گوّیے تھے بلکہ دونوں کا تعلق موسیقی کی شاہانہ روایات سے تھا۔ خیال گائیکی کے ایک اور نامور گائیک استاد بڑے محمد خان، استاد شکر خان ہی کے بیٹے تھے جنھوں نے خیال گائیکی میں زمزمہ اور تانوں کے حوالے سے کئی جہتوں سے اضافے کیے۔

گوالیار گھرانے کے نقش گر استاد نتھن پیر بخش کے نواسے استاد حدو حسّو خان جو گوالیار اسکول کے ممتاز ترین موسیقار سمجھے جاتے ہیں، دونوں بھائی مغل دربار کے نمایاں ترین گوّیے شمار کیے جاتے تھے۔ گوالیار گھرانے کی تخلیقی روایات کے حوالے سے کئی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق استاد نتھن پیر بخش گوالیار ہی میں مقیم رہے اور انھوں نے بڑی محنت اور ریاضت کے بعد گوالیار گھرانے میں خیال گائیکی کے فروغ کے لیے بنیادی

نوعیت کا کام کیا۔ایک روایت کے مطابق استاد نتھن پیر بخش نے حدو حسّو خان کے تیسرے بھائی استاد نتھو خان کے ساتھ مل کر گوالیار گھرانے کی بنیاد رکھی مگر معروف ترین روایت کے مطابق استاد نتھن پیر بخش لکھنؤ دربار سے منسلک تھے مگر یہاں استاد شکر خان کے ساتھ معاصرانہ چشمک کے نتیجے میں انہوں نے لکھنؤ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور اپنے نواسوں استاد حدو حسّو خان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے گوالیار چلے آئے۔ آج گوالیار گھرانے کی جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ انہی عظیم فنکاروں کی مسلسل ریاضت کا نتیجہ ہیں۔ استاد حسّو خان تو نوجواں مرگ ثابت ہوئے مگر استاد حدو خان اور ان کے بیٹوں استاد رحمت خان (۱۹۲۲ء-۱۸۵۵ء)اور نثار خان نے گوالیاری موسیقی کو احساسات و جذبات سے آراستہ کرنے کے حوالے سے قابلِ قدر اضافے کیے۔سہسوان کے استاد عنایت حسین خان نے خیال گائیکی میں استاد حدو خان ہی کی پیروی کی۔استاد خدو خان ایسے شاندار فنکار تھے کہ ان کے ساتھ دو طنبورے، دو سارنگیاں، دو سازندے آس دینے والے اور ایک طبلچی سنگت کرتا تھا مگر پھر بھی سارے سازندے ساتھ دینے سے عاجز آ جاتے تھے(۳)۔استاد حدو حسّو خان نے گانا استاد بڑے محمد خان سے چُھپ کر سیکھا تھا۔ استاد کو جب معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئے۔تب استاد نے شاگردوں کو نیچا دکھانے کے لیے جبڑے کی تان کہی مگر ذہین شاگردوں نے وہ بھی نقل کر لی، جبڑے کی تان اسی پس منظر میں آج بھی گوالیار گھرانے میں رائج چلی آ رہی ہے حالانکہ دوسرے گوّیے اسے پسند نہیں کرتے۔

آج گوالیار گھرانے کے گوّیے دھماکہ خیز گانا نہیں گاتے۔اس گھرانے سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندو گوّیوں نے بھی خوب استفادہ کیا۔ پنڈت شنکر، ان کے بیٹے کرشنا راؤ اور ان کے بیٹے پنڈت لکشمن کرشنا راؤ، راجا بھیا پونچھ والے، منجو کلکرنی، مالیتی راجوکر، پنڈت ویشنو ڈگمبر، ڈی وی پُلسکر، پنڈت اونکار ناتھ ٹھاکر، نارائن راؤ، اور پنڈت بھاسکر راؤ جیسے ممتاز گوّیے اسی گھرانے کے شاگرد ہیں۔ گوالیار گھرانے کے ایک اور نامور فرزند استاد بھائی لعل انہی پنڈت بھاسکر راؤ کے شاگرد ہیں۔اس گھرانے کے ایک نامور گائیک استاد بنّے خان ہیں اور اس کی نسل میں استاد سندھے خان، استاد جمال خان، مُراد خان، مصری خان، احمد خان، رحمت علی خان جیسے فنکار پیدا ہوئے۔ آگے چل کر استاد بنّے خان کی گائیکی استاد پیارے خان کے ذریعے ان کے بیٹے استاد اُمید علی خان اور استاد غلام رسول خان تک پہنچی۔مشہور گائیک استاد حمید خان اور استاد فتح علی خان (جو کہ استاد غلام رسول خان کے بیٹے تھے) اپنے والد کی بجائے اپنے تایا استاد اُمید علی خان کے شاگرد ہوئے۔اس گھرانے کے دیگر نامور فنکاروں میں منظور علی خان، گامن خان، جسّے خان، مبارک علی خان (جن سے اللہ دِیا خان نے فیض اُٹھایا) قدرت اللہ خان، عاشق علی خان، مولا بخش خان اور ان کے بیٹے استاد تو کل حسین خان نمایاں حیثیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔آجکل اس گھرانے کے سب

سے اہم گائیک استاد فتح علی خان ہیں جو اپنے گھرانے کی شاندار روایات کے امین ہیں۔

جہاں تک گوالیار گھرانے کے خصوصی امتیازات کا تعلق ہے۔ یہاں خیال، ترانہ اور ٹھمری نہایت سلیقے سے گائی جاتی ہے۔ اگرچہ ہر گھرانہ مکمل طور پر خیال گائیکی میں ڈھل چکا ہے مگر آج بھی اس گائیکی پر دھرپد کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ گانا کُھلے گلے کا استعمال کرتے ہوئے پورے زور مگر کنٹرول سے گایا جاتا ہے۔ گوالیاری فنکاروں میں بول تان، لے کاری اور گُھمک کی تانیں اپنی اصلی شکل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اس گانے کی امتیازی شان سادگی اور دلآویزی ہے۔ یہاں سُر لگانے کے مشکل اور پیچیدہ انداز نہیں پائے جاتے، آسان بندشیں آغاز ہی سے فنکار اور سامعین میں قریبی تعلق قائم کرنے میں خاصی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اس گھرانے کی عام لے مدھ لے ہے جو جے پور والوں سے نسبتاً تیز ہے۔ سادگی کے علاوہ معروف راگوں کا انتخاب بھی گانے میں پُراسراریت پیدا کرنے کی بجائے ابلاغ کو آسان بناتا ہے۔ گوالیار گھرانے میں انترے تک رسائی سے پہلے استھائی کو دوبار گایا جاتا ہے جبکہ بہلاوا میں 'ما' سب سے نچلا اور 'پا' سب سے بلند سُر ہوتا ہے اور راگ میں روہی اور امروہی کی بھی یہی ترتیب رکھی جاتی ہے۔ بہلاوا، استھائی اور انترے میں تقسیم ہو چکنے کے بعد دُگن کا آلاپ شروع ہو جاتا ہے لیکن بنیادی لے وہی رہتی ہے۔ اس کے بعد بول اور آلاپ کی باری آتی ہے جس میں متن کے الفاظ کو کئی رنگوں سے ادا کیا جاتا ہے، اس میں کثرت سے مُرکیوں کا استعمال کیا جاتا ہے جو راگ کی آرائش میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس گھرانے میں راگ الیہ بلاول، ایمن، بھیروں، سارنگ، شری، گوڑ ملہار اور میاں کی ملہار کثرت سے گائے جاتے ہیں۔ یہی وہ امتیازی خدوخال اور تخلیقی روایات ہیں جو گوالیار گھرانے کو دیگر گھرانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔

2- پٹیالہ گھرانہ

تلونڈی، ہریانہ، شام چوراسی اور کپورتھلہ پنجاب کے چار ممتاز اور قدیم گھرانے ہیں (۴)۔ پنجاب کے قدیم گھرانوں میں پٹیالہ نسبتاً نیا اور شاندار روایات رکھنے والا کلاسیکی موسیقی کا ایک بڑا گھرانہ ہے۔ جس نے دستوری موسیقی کے فروغ میں نسل در نسل قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس گھرانے کے بانی تو استاد کالو خان ہیں جو ایک زمانہ میں گوکھی بائی سہارن پور والی کے سارنگی نواز ہوا کرتے تھے اور گوکھی بائی اُن کی شاگرد بھی تھیں (۵)۔ ایک روایت کے مطابق بابا کالو کا تعلق دلّی گھرانے سے تھا لیکن اس گھرانے کی روایات سازی میں اصل کردار استاد علی بخش اور استاد فتح علی خان نے ادا کیا۔ علی بخش خان گھرانے کے بانی استاد کالو خان کے بیٹے تھے جبکہ استاد فتح علی خان کے والد کا نام خیرات علی خان تھا۔ جبکہ بعض لوگوں نے ان کا نام محبوب علی طبلہ نواز بھی لکھا ہے۔ اس حقیقت سے بہت کم قارئین آگاہ ہیں کہ استاد علی بخش اور استاد فتح علی خان آپس میں سگے بھائی نہیں تھے مگر انہوں نے ساری

زندگی سگے بھائیوں کی طرح ہی بسر کی۔ جب بابا کالوا اپنے بیٹے علی بخش کو گوکھی بائی کے سپرد کرنے جا رہے تھے تو اُن کی بیوی نے کہا کہ ''فتح علی بھی تو اپنا ہی بچہ ہے پھر دونوں آپس میں گہرے دوست بھی ہیں۔ لہٰذا اسے بھی سکھانے کے لیے ساتھ لیتے جاؤ''، چنانچہ بابا کالو نے بیوی کا مشورہ مانتے ہوئے دونوں لڑکوں کو گوکھی بائی کی شاگردی میں دے دیا۔ گوکھی بائی نے دونوں بچوں پر خوب محنت کی دراصل وہ استاد تان رس خان کے ساتھ ایک پرانا حساب چکانے کے لیے ان بچوں کو تیار کر رہی تھیں۔ قصہ یوں ہے کہ ایک زمان میں گوکھی بائی نے استاد تان رس خان کی شاگرد بننے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر استاد صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ طوائفوں کو نہیں سکھاتے۔ چناچہ ۱۸۷۶ء میں گوکھی بائی ان دونوں بچوں کو ساتھ لے کر جے پور پہنچی تا کہ استاد تان رس خان کے مقابلے میں اپنے دو شاگردوں کو اُتار کر اپنی توہین کا بدلہ لے سکے۔ ادھر علیا فتو نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا دونوں نے تان رس خان کے مقابلے میں اُترنے کے بجائے ان سے التجا کی کہ وہ ان دونوں کو اپنی شاگردی میں لے لیں۔ ادھر گوکھی بائی بھی اپنے کیے پر شرمندہ ہوئیں اور یوں یہ بچے تان رس خان کی شاگردی میں قبول کر لیے گئے (۲)۔

علیا فتو کے نام سے مشہور اس جوڑی نے گوالیار کے استاد حدو حسّو خان، سینی گھرانے کے بہادر حسین خان، دہلی گھرانے کے تان رس خان کے علاوہ استاد مبارک علی خان سے بھی استفادہ کیا مگر دونوں گوّیوں کو تراش کر ہیرے بنانے کا کام استاد تان رس خان ہی نے انجام دیا جن سے انہوں نے پورے دس برس تک تعلیم حاصل کی۔

اس گھرانے کی روایات کو خصوصی شہرت واہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب پٹیالہ کے مہاراجہ نے استاد فتح علی خان اور استاد علی بخش کو سرکاری سرپرستی میں لے کر دونوں گوّیوں کو بالترتیب کرنیل اور جرنیل کے خطابات سے نوازا۔ علیا فتو ہی وہ عظیم فنکار ہیں جنہوں نے پٹیالہ کو گھرانے کی عظمت کے درجے پر فائز کیا۔ اُن کی زوردار گائیکی نے ہندوستان کے کونے کونے میں دھوم مچادی۔ پٹیالہ گھرانے میں بڑے فنکاروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جن میں استاد میاں جان خان، احمد جان خان، استاد الیاس خان، صابر حسین خان، عطا حسین خان، استاد نتھو خان (حسین بخش گلو کے والد)، استاد عبدالعزیز خان بینکار، ان کے فرزند عبداللطیف خان، استاد امجد امانت علی خان، اسد امانت علی خان، شفقت امانت علی خان، استاد حامد علی خان، رستم فتح علی خان، سلمان خان، سردار بائی، بھائی اروڑہ، استاد اللہ دِیا مہربان، محمد حسین سارنگ، زاہدہ پروین، استاد رمضان خان اور ان کے بیٹے استاد عبدالرحمان خان جو ہندوستان چلے گئے تھے، کے نام خصوصیت سے لیے جا سکتے ہیں۔

اس گھرانے کے ایک اور قابلِ فخر فرزند استاد عاشق علی خان ہیں جو اس گھرانے کی گائیکی کے نمائندہ ترین فنکار ہیں۔ عاشق علی خان کے والد اور پٹیالہ گھرانے کے بانی استاد فتح علی خان انہیں بچپن ہی میں یتیم چھوڑ

گئے۔ اگرچہ لاہور کے بیشتر گوّیے فتح علی خان (کرنیل) کی شاگردی پر فخر کرتے تھے مگر ان کے یتیم بیٹے کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہ تھا تاہم سردار بائی نے ان کے سر پر دستِ شفقت رکھا۔ کلاسیکل گانے سے قبل استاد عاشق علی خان غزل اور کافی گایا کرتے تھے۔ ایک روز چند سازندوں نے کہا کہ ''اتنے بڑے باپ کے بیٹے ہو کر کلاسیکل کی بجائے غزلیں گاتے ہو۔'' یہ بات عاشق علی خان کے دل پر چوٹ کی طرح لگی۔ انہوں نے عہد کیا کہ اب پٹیالہ سے لاہور اُسی وقت آؤں گا جب کلاسیکل گانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ یہ عہد کرنے کے بعد سیدھے اپنے ماموں امیر خان کے پاس ملتان پہنچے اور ان سے کلاسیکل کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد سیالکوٹ کا رُخ کیا جہاں ان کے والد کے ایک شاگرد استاد امام دین رہتے تھے۔ انہوں نے عاشق علی خان کو چارپائی پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ کر اپنے استادزادے کو تعلیم دی۔ اس کے بعد عاشق علی خان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ان کے ماموں استاد مہربان خان نے قبول کی جو بقول سراج نظامی پنجاب کے سب سے بڑے گوّیے تھے۔ استاد عاشق علی خان اگرچہ آتے ہی اپنے عہد کے تمام گوّیوں پر چھا گئے مگر بعض ناقدینِ موسیقی کے خیال میں اپنے والد سے براہِ راست تعلیم حاصل نہ کر سکنے کے باعث ان کی گائیکی اپنے گھرانے کے مخصوص انداز سے قدرے ہٹی ہوئی ہے۔ عاشق علی کان نے کسی مرد گوّیے کو اپنا شاگرد نہیں بنایا البتہ مختار بیگم اور فریدہ خانم جیسی گلوکارائیں ان کی یادگار ہیں۔ مگر بعض دوسری روایات کے مطابق استاد بڑے غلام علی خان ان کے چھوٹے بھائی امانت علی خان قصوری، چھوٹے عاشق علی خان، حسین بخش ڈھاڈی، رفیق غزنوی، اللہ دینو خاں (سندھ) اور استاد سرہنگ خان (افغانستان) جیسے نامور موسیقار، عاشق علی خان ہی کے شاگرد ہیں۔

استاد علی بخش کے بیٹے اختر حسین خان، عاشق علی حسین جیسی شہرت و ناموری تو حاصل نہ کر سکے کہ ان کی آواز میں وہ رس نہ تھا جو اس گھرانے کا خاصا سمجھا جاتا ہے تاہم وہ صحیح خوانی اور فنّی صحت جیسے اوصاف سے مالا مال تھے۔ بیسویں صدی کے وہ عظیم فنکار جنہیں اس گھر کے مکمل ترین نمائندے کہا جا سکتا ہے وہ استاد امانت علی خان اور استاد فتح علی خان ہیں۔ رس میں ڈوبی آواز، گانے کا منفرد انداز، دُرت لے میں تانوں کا سلیقہ اور مُرکیوں اور پلٹوں کی مدد سے راگ کی آرائش دونوں بھائیوں کی گائیکی کے نمایاں اوصاف ہیں۔ امانت علی خان کی وفات کے بعد استاد فتح علی خان نے ہمت ہارنے کی بجائے بڑی محنت سے اپنے گانے کی تنظیمِ نو کی اور امجد علی خان کی ہمراہی میں اپنی خاندانی گائیکی کو مسلسل آگے بڑھاتے رہے۔ بلاشبہ ان کا شمار بیسویں صدی کے اہم ترین فنکاروں میں ہوتا ہے۔ بڑے غلام علی خان کا تعلق اگرچہ قصور گھرانے سے تھا مگر وہ سات سال کی عمر میں کلّن خان پٹیالوی کے شاگرد بنے اور مسلسل دس سال تک ان سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اپنے والد علی بخش خان اور چچا کالے خان سے

استفادہ کیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے کیرانہ گھرانے کے استادعبدالوحید خان سے بھی فیض حاصل کیا۔ ان اثرات کو استاد بڑے غلام علی خان کی خیال گائیکی میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ استادعبدالکریم خان کے بعد استاد بڑے غلام علی خان نے سُر کی صحیح ادائیگی کو یقینی بنایا۔ ان کی آواز کا دائرہ تینوں سپتک تک پھیلا ہوا ہے اور وہ ایسے خوش نصیب گلوکار ہیں جن کی آواز شفاف اور ہر طرح کے نقائص سے پاک ہے۔ وہ خیال میں تان کا استعمال زیادہ کرتے ہیں اور خیال کی بجائے ٹھمری کے دلدادہ ہیں۔ دوسرے گھرانے ٹھمری کو دوسرے درجے کی چیز سمجھتے ہیں مگر بڑے غلام علی خان نے ٹھمری کو اول درجے کی صنفِ موسیقی بنا دیا۔ اگر چہ ان کی گائیکی پٹیالہ گھرانے کی گائیکی سے قدرے مختلف ہے تاہم وہ اپنے گھرانے کی شاندار روایات کے امین ہیں۔

پٹیالہ گھرانے کی گائیکی قدرے اکھڑ گائیکی ہے اور موسیقی کے حلقے اسے تیاری کے گانے کا نام دیتے ہیں۔ یہاں چوڑی کے گانے کا رواج چلا آ رہا ہے۔ اس گھرانے کے فنکار بلمپت کے ماہر ہیں اور راگ کی بڑھت میں خصوصی قرینے کا مظاہرہ کرتے ہیں، یہاں سُر سے زیادہ تانوں، پلٹوں اور سرگم پر زور نظر آتا ہے حتیٰ کہ ترانے تک آتے آتے گانا جمع تفریق کا کھیل بن کر رہ جاتا ہے۔ پٹیالہ گھرانے کے گائیک کیرانہ گھرانے کے مقابلے میں بلمپت پر کم توجہ دیتے ہیں ان کا زیادہ تر زور دُرت لے پر ہوتا ہے۔ یہاں سُر سے زیادہ تانوں کو اہمیت دی جاتی ہے، اور بعض اوقات گوّیا سُر کو بھول کر تانوں پلٹوں میں یوں گم ہو جاتا ہے کہ سامعین موسیقی کے رس سے محروم ہو جاتے ہیں اور عملی طور پر موسیقار اور سامعین کے درمیان رشتہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ پٹیالہ فنکاروں کے ہاں دُرت لے میں آواز کا ایک لہریہ سا چلتا ہے جو اس گھرانے میں گوالیار کے استاد حدو حسّو خان کی گائیکی کی بازگشت کا پتہ دیتا ہے اور جو چیز پٹیالہ گھرانے کو اس کے استاد گھرانے (دہلی) سے الگ کرتی ہے وہ گھمک کا بے پناہ ریاض ہے اور جب تیاری کے ساتھ ساتھ گھمک کا ریاض مکمل ہوتا ہے تو پٹیالہ گھرانہ کی گائیکی کے خدوخال اُجاگر ہونے لگتے ہیں (۸) یہاں استاد سلامت علی خان جیسا تخیل نظر نہیں آتا یہاں تو مسلسل تانوں کے مجموعے ہیں جن سے سننے والے متاثر کم اور مرعوب زیادہ ہوتے ہیں۔ پٹیالہ گھرانہ کی موسیقی کی جو روایت ہمارے سامنے موجود ہے اس کی سند کے بارے میں کچھ کہنا خاصا مشکل ہے کیونکہ یہاں درمیان میں کئی کڑیاں گم ہیں جس کی وجہ شاگردوں کی کمی قرار دی جاسکتی ہے۔ یہاں استاد فیاض خان جیسی فیاضی نظر نہیں آتی اور نہ ہی استادعبدالکریم خان جیسی شاگرد نوازی ہے جس کی بہترین اور عبرتناک مثال عاشق علی خان کی صورت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ پٹیالہ گھرانے کے فنکار خیال کے علاوہ ٹھمری اور غزل کو بھی اظہارِ ذات کا وسیلہ بناتے ہیں۔

3۔ قصور گھرانہ:

قصور گھرانہ پنجاب میں کلاسیکی موسیقی کا ممتاز اور قدیم گھرانہ سمجھا جاتا ہے۔ ناقدینِ موسیقی اسے چھوٹی گوالیار بھی کہتے ہیں جو ایک طرح سے گوالیار گھرانے کے لیے خراجِ تحسین بھی ہے۔ بعض لوگ اس گھرانے کا ذکر پٹیالہ گھرانے کے ذیلی گھرانے کے طور پر بھی کرتے ہیں۔ اس گھرانے کی بنیاد افغانستان سے ہجرت کر کے ہندوستان چلے آنے والے موسیقار بابا پیر فضل داد نے لاہور سے پچپن کلومیٹر جنوب میں واقع حضرت بُلھے شاہ کے شہر قصور میں رکھی۔ آج بھی ان کی قبر حضرت بُلھے شاہ کے مزار کے قریب ہی واقع ہے۔ قصور گھرانہ صرف اپنے اعلیٰ درجے کے گلوکاروں کے لیے خصوصی شہرت رکھتا ہے بلکہ یہاں اعلیٰ درجے کے سازندوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اس گھرانے میں فضل حسین قصوری، غلام محمد قصوری اور استاد کرم الٰہی جیسے سارنگی نواز اور استاد کرم الٰہی قصوری، استاد حیدر بخش، فتح دین قصوری، علی بخش قصوری اور چھوٹے کالے خان جیسے طبلہ نواز بھی موجود ہیں۔

اس گھرانے کے نمائندہ ترین فنکاروں میں بڑے غلام علی خان (۱۹۶۸ء-۱۹۰۱ء) کا نام شامل ہے۔ وہ بھی کلاسیکی گائیکی کی طرف آنے سے پہلے سارنگی ہی بجایا کرتے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے مشہور فنکارہ عنایت بائی ڈھیرو والی سے کسی بات پر ناراض ہو کر سارنگی توڑ دی اور گانے کی طرف چلے آئے۔ بڑے غلام علی خان نے اپنے والد علی بخش خان اور چچا کالے خان سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پٹیالہ گھرانے کے استاد کلّن خان اور کیرانہ گھرانے کے استاد عبدالوحید خان سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس سے قبل بڑے غلام علی خان کے والد علی بخش خان اور چچا کالے خان بھی پٹیالہ گھرانے کے ممتاز گائیک استاد علی بخش جرنیل اور استاد فتح علی خان کرنیل کے شاگرد تھے۔ گویا پٹیالہ گھرانے کی حیثیت قصور کے استاد گھرانے کی ہے۔ استاد بڑے غلام علی خان کی آواز پر پٹیالہ سے زیادہ کیرانہ گھرانے کے اثرات نظر آتے ہیں۔ استاد عبدالوحید خاں کی تعلیم اور سارنگی سے ان کی دیرینہ وابستگی ہی کا نتیجہ ہے کہ استاد بڑے غلام علی خان نے ٹھمری جیسی شئے کو اوّل درجے کی صنفِ موسیقی بنا دیا۔ استاد بڑے غلام علی خان پاکستان میں موسیقی اور موسیقی سے وابستہ فنکاروں کی ناقدری کو دیکھ کر ہندوستان منتقل ہو گئے۔

بڑے غلام علی خان کے تینوں بھائی مبارک علی خان، استاد امانت علی خان اور استاد برکت علی خان بھی اعلیٰ درجے کے فنکار تھے۔ قصور گھرانے سے وابستہ دیگر فنکاروں میں استاد علی بخش خان، استاد کالے خان، میاں نبی بخش خان، میاں قادر بخش خان، استاد بڑے امانت علی خان، غلام عباس خان، استاد چھوٹے غلام علی خان (جن کے شاگرد استاد بدر زمان اور قمر زمان ہیں) امن علی خان، استاد بشیر ماہی، کرامت علی خان، استاد منور علی خان (۱۹۸۹ء-۱۹۳۰ء) جگدیش پرشاد، جواد علی خان، مظہر علی خان، رضا علی خان اور نقی علی خان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

کلاسیکی فنکارہ پروین سلطانہ اورفن کی دنیا کا ایک عظیم نام ملکہ ءترنم نور جہاں بھی قصور گھرانے ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔

قصور گھرانے کے فنکار ہمیشہ کُھلے گلے سے گاتے ہیں اور گانے کے دوران میلوڈی اور لے دونوں پر انحصار کرتے ہیں۔سرگم میں رنگارنگ انداز،سپتک میں تانوں کا غلبہ،گھمک اور بول تان پرعبور،تہائی میں لے کاری کا استعمال،غیر معمولی بہلاوے،زمزمہ اورمُر کی کا استعمال،بندش کی صحیح خوانی اور راگ کے علاوہ ٹھمری اورغزل میں خصوصی مہارت وہ اوصاف ہیں،جواس گھرانے کی گائیکی کودوسروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

4-شام چوراسی گھرانہ:

اس گھرانے کا آغاز مشرقی پنجاب کے ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں شام چوراسی سے ہوا۔ایک روایت ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے چوراسی دیہات پر مشتمل ایک مالیاتی یونٹ تشکیل دیا تھا جوشام چوراسی کے نام سے مشہور ہوگیا۔شام چوراسی پنجاب کے چار ممتاز اورقدیم گھرانوں میں سے ایک گھرانہ ہے جس کے گائیک ہریانہ گھرانے کے شاگرد تھے اور ہریانہ والے خودتلونڈی گھرانے کے تلمیذ تھے۔ یہ گھرانہ اپنا شجرہ اکبر کے دربار کے دونامور گوّیوں نائیک سورج خان اور نائیک چاند خان کے ساتھ ملانے کا دعویدار ہے۔جنھوں نے تان سین کے سامنے دربار اکبری میں اپنےفن کا مظاہرہ کیا تھا(۹)۔اکبر اعظم نے اس گھرانے کے گائیکوں کوشام چوراسی گاؤں میں جاگیرعطا کی تھی اس لیے یہ گھرانہ صدیوں سے وہیں آباد تھااور تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان چلا آیا۔

شام چوراسی بنیادی طور پر دھرپد گانے والا گھرانہ تھا اور استاد ولایت حسین خان تک یہی گائیکی اس گھرانے کا طرہَ امتیاز رہی۔اس گھرانے نے ہرعہد میں شاندار گوّیے پیدا کیے۔ایسے ہی چندنامور گوّیوں میں استاد لال خان،استادشمس خان،استادمیراں بخش خان،استادخیر دین خان،استاداحمدعلی خان،استادکریم بخش مجذوب اور استادولایت حسین خان کے نام شمار کیے جاسکتے ہیں جنھوں نے عہد بہ عہد دھرپدکی زرخیز روایات کو پروان چڑھایا۔ اس گھرانے میں استادنزاکت علی خان (۱۹۸۴ء-۱۹۲۰ء)اوراستادسلامت علی خان (۲۰۱۰ء-۱۹۳۴ء) وہ فنکار ہیں جنھوں نے دھرپد گانے والے گھرانے کوخیال گائیکی سے وابستہ کر دیا۔ دونوں بھائیوں نے اپنی خوبصورت خیال گائیکی سےموسیقی کےحلقوں کواپنا گرویدہ بنالیااور مسلسل محنت اور ریاضت سےخیال گانے والوں کی پہلی صف میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئے۔دونوں بھائیوں نے سالہا سال کچھ ایسے انوکھے انداز سے خیال گایا کہ اپنے گھرانے کوگائیکی کی جدید بنیادوں پراستوار کردیا۔سلامت علی خان نے۱۹۴۲ء میں آل انڈیا ریڈیو پرآٹھ سال کی عمر میں پہلی پرفارمنس دے کر بڑے بڑے فنکاروں کو چونکا دیا۔اس کے تین سال بعد جب وہ ۱۱ سال کے تھے جب امرتسر کے میوزک فیسٹیول میں اپنے بھائی نزاکت علی خان کے ساتھ مل کر ایسا گانا گایا کہ دونوں بھائیوں نے دُرت

لے میں سُر اور تانوں کے غیر معمولی تال میل سے سماں باندھ دیا۔اسی روز اساتذۂ فن نے ان کے شاندار مستقبل کی پیشگوئی کر دی تھی۔قیامِ پاکستان کے وقت استاد سلامت علی خان اور استاد نزاکت علی خان اپنے والد استاد ولایت حسین خان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے ملتان آئے اور بعد ازاں لاہور منتقل ہو گئے۔اس دوران انہوں نے مختلف کانفرنسوں اور بیرونی ممالک میں شاندار پرفارمنس کے ذریعے اپنے گھرانے کو خیال گائیکی کے بڑے بڑے گھرانوں کے مدِمقابل لا کھڑا کیا۔اس گھرانے کے دوسرے فنکاروں میں استاد نیاز حسین شامی، ان کے دوسرے دو بھائی محمد حسین شامی اور دلاور حسین شامی (جن کے بیٹے ریاض خان اور امتیاز خان ہیں) استاد ولایت خان کے دوسرے بیٹوں میں استاد اختر حسین خان، استاد ذاکر حسین خان اور استاد تصدق حسین خان شامل ہیں۔استاد نزاکت حسین خان کے بیٹوں میں رفاقت حسین خان جو کلاسیکل کی بجائے پاپ گاتے ہیں، اور استاد سلامت علی خان کے بیٹوں میں استاد شرافت علی خان، لطافت علی خان، سخاوت علی خان اور شفقت علی خان کا شمار نامور گوّیوں میں ہوتا ہے۔استاد سلامت خان کے بیٹوں میں شرافت علی خان نہایت اعلیٰ درجے کے فنکار تھے مگر موت نے انہیں زیادہ گانے کی مہلت نہیں دی۔البتہ شفقت سلامت خان کے فن میں باپ کی آواز کے رنگ جھلکتے ہیں اور وہ اپنی عمر کے تمام گوّیوں سے آگے نظر آتے ہیں۔

استاد سلامت علی خان اور نزاکت علی خان کی جوڑی نے زندگی میں بڑی بڑی کامیابیاں سمیٹیں لیکن ۱۹۷۴ء میں نزاکت علی خان کی وفات سے یہ شانداری جوڑی ٹوٹ گئی مگر استاد سلامت علی خان نے ہمت ہارنے کی بجائے بھائی کے بعد اپنے بیٹے شرافت علی خان کے ساتھ مل کر گانا شروع کیا اور یوں اپنے خاندان کی روایات کو آگے بڑھاتے رہے۔استاد سلامت علی خان کی گائیکی سُر اور لے کی گائیکی ہے وہ جب سُر کے ساتھ تخیل کی آمیزش کرتے ہیں تو لگتا ہے خیال نہیں گا رہے بلکہ شاعری کر رہے ہیں۔ان کی آواز اندھیرے میں اُڑتے جگنو کی طرح ہے وہ جدھر جدھر سے گزرتا ہے اپنے پیچھے روشنی کی لکیر چھوڑتا چلا جاتا ہے۔

شام چوراسی گھرانے کی گائیکی کے پس منظر میں دھرپد کی عظیم روایات موجود ہیں۔ یہاں جوڑی کے گانے کے ساتھ جُگل بندی کی روایت موجود ہے اور بول تان کے دوران لے کاری پر زور دکھائی دیتا ہے، اس گھرانے کے فنکار دھرپد کی لے کاری کو نہایت خوبصورتی اور ذہانت سے خیال میں برتتے ہیں، تلواڑہ، چوتالا اور دھمار میں مشکل لے کاری والی بندشیں سامعین کو عجیب مزا دیتی ہیں۔ یہاں بلمپت کا دائرہ خاصا وسیع ہوتا ہے جس میں مزید تاثیر پیدا کرنے کے لیے ٹھمری رنگ کو شامل کیا جاتا ہے، تیاری میں بے تکلفی اور سُر میں بھیگی تانیں سامع اور فنکار کے درمیان قریبی تعلق قائم کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ لے کاری پر بے حد انحصار، تیز سرگم، بول بانٹ،

تہائیوں کا غیر معمولی پن اور گلے کے علاوہ جبڑے کے ہر پہلو کا استعمال ایسے اوصاف ہیں جو صرف اسی گھرانے کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔

5- تلونڈی گھرانہ:

اپنی قدامت اور بزرگی کے اعتبار سے یہ گھرانہ پنجاب کے چاروں گھرانوں میں سب سے قدیم ہے۔ یہ گھرانہ زمانہء قدیم سے دھرپد گائیکی کی عظیم اور پاکیزہ روایات کا امین رہا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک تلونڈی گھرانے کی بنیاد اکبری عہد سے بھی زیادہ پرانی ہے جبکہ ناقدینِ موسیقی کے ایک حلقے کا دعویٰ ہے کہ اس گھرانے کی بنیاد نائیک سورج خان اور نائیک چاند خان نے رکھی جو دربار اکبری میں تان سین کے ہمعصر گوّیے تھے اور عظیم موسیقار سوامی ہری داس کے شاگرد تھے۔ استاد سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد دونوں بھائی پنجاب چلے آئے اور لدھیانہ کے قریب خیر آباد گاؤں میں آباد ہو گئے جو تلونڈی کے نام سے مشہور ہے اور اسی گاؤں کی نسبت سے تلونڈی گھرانہ وجود میں آیا۔ جبکہ تلونڈی گھرانے کے معروف فنکار استاد حفیظ خان کے مطابق تلونڈی گاؤں ضلع لدھیانہ تحصیل جگراواں میں شہر رائے کوٹ (جس کا پہلا نام راگ کوٹ تھا) سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے(۱۰) استاد حفیظ خاں نے اپنے ایک انٹرویو میں تلونڈی کی وجۂ تسمیہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ تلونڈی کی بجائے لفظ تال ونڈی ہے۔ ان کے بقول ان کے گھرانے کے ایک نائیک استاد ملک تتھن کو مغل دربار میں کڑی آزمائش سے گزارتے ہوئے کہا گیا کہ بادشاہ سوا گز نیزے کی بلندی سے ایک لیموں کو زمین پر گرائے گا اور اسی دوران نائیک تتھن چوبیس تال پورے کر کے دکھائے۔ بالآخر انہوں نے معجزہ کر دکھایا اور یوں ان کے گاؤں کا نام تال ونڈی کے نام سے جانا جانے لگا ہے(۱۱)

پنڈت دلیپ چندر ویدی کے نزدیک پنجاب میں ایک درجن سے زائد دیہات تلونڈی کے نام سے جانے جاتے ہیں اور یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سورج خان اور چاند خان کا تعلق کس تلونڈی سے تھا؟ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں بھائی نسلاً برہمن تھے مگر مالی پریشانیوں اور مسلمان حکمرانوں سے مالی فوائد کے حصول کی خاطر مسلمان ہو گئے تھے۔ اپنے نام شدھا کار اور دیوا کار (بمعنی سورج اور چاند) رکھ لیے۔ اسی قسم کے خیالات بعض لوگوں نے تان سین کے بارے میں بھی ظاہر کیے ہیں۔ سورج خان اور چاند خان تلونڈی سے ترکِ سکونت کر کے اِدھر اُدھر منتقل ہوتے رہے اس کے باوجود بھی تلونڈی گھرانہ قائم رہا۔

سورج خان اور چاند خان بلاشبہ اپنے عہد کے بڑے گوّیے تھے مگر ان کے بعد بھی اس گھرانے میں سُر رس خان، تتھن خان، رحیم داد، گلاب خان، بھیکھے خان، مولا بخش خان، مولا داد خان، امر خان، مہر ولی خان، میاں

جہانگیر خان، استاد توکل خان، میاں حرم دادا اور استاد قلندر بخش جیسے اعلیٰ درجے کے گوّیے پیدا ہوئے۔

ویسے تو پنجاب کے چاروں گھرانے ہی دھرپد گائیکی سے وابستہ رہے مگر بتدریج یہ گھرانے خیال گائیکی میں منتقل ہوتے چلے گئے۔ تقسیم ہندوستان سے پہلے تک تلونڈی گھرانہ پورے طور پر دھرپد سے وابستہ تھا مگر قیامِ پاکستان کے بعد یہ گھرانہ اپنی دھرپدی شناخت قائم نہ رکھ سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دھرپد گائیکی بنیادی طور پر مذہبی گائیکی ہے اور اس کی بندشوں کے اندر کا سارا ماحول ہندومت پر مشتمل ہے اور پاکستان میں آ کر اس کی گنجائش تقریباً ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ تلونڈی گھرانے کا انداز راجستھان کے مشہور گھرانے ڈاگر گھرانے جیسا تھا۔ تقسیم ہندوستان تک تو تقریباً سبھی گائیک دھرپد گایا کرتے تھے مگر تلونڈی والے تو صدیوں سے اس گائیکی کی نمائندگی کرتے چلے آ رہے تھے۔ تلونڈی کے فنکار بنیادی طور پر سکھ سرداروں کے ملازم تھے اور ان کے مذہبی اجتماعات میں گانے کے لیے دھرپد ترتیب بھی دیتے تھے، ان اجتماعات میں دھرپد گائیکی کا مظاہرہ بھی کرتے تھے اور دھرپد گاتے وقت بعض اوقات سکھوں جیسا لباس بھی پہنتے تھے۔ بعض بڑے بڑے سکھ گوّیوں کو تلونڈی گھرانے نے تعلیم بھی دی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ بعض سکھ گوّیے بھی اپنا شجرہ تلونڈی گھرانے کے ساتھ ملاتے دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان منتقل ہونے کے بعد تلونڈی گھرانہ سب سے زیادہ ناقدری کا شکار ہوا۔ کیونکہ دھرپد خالصتاً ہندوؤں اور سکھوں کا مذہبی گانا تھا جو ایک نئی اسلامی مملکت میں بعض حلقوں کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ ایک زمانے میں ریڈیو پاکستان پر تلونڈی گھرانے کے فنکاروں کو چند مواقع دیئے گئے مگر اس کے بعد پھر ناقدری کا وہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقسیم کے بعد تلونڈی گھرانے کے فنکاروں نے خالص اسلامی رنگ میں ڈوبے ہوئے دھرپد بھی ترتیب دیے اور اپنی خالص اسلامی شناخت پر بھی زور دیا مگر دھرپد گائیکی کا پودا پاکستانی سرزمین میں جڑ نہ پکڑ سکا۔ یوں استاد مہر علی خان اور میاں مولا بخش خان تلونڈی گھرانے کی دھرپد گائیکی کے آخری چراغ ثابت ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد استاد مہر علی خان کے بیٹوں استاد حفیظ خان اور استاد افضل خان نے دھرپد کو خیرباد کہہ کر خیال گائیکی سے لو لگا لی۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب پاکستانی موسیقی کا سوشہ چھوڑا گیا تو اس پراپیگنڈہ سے جو فنکار سب سے زیادہ متاثر ہوئے وہ تلونڈی گھرانے کے فنکار تھے۔ یہ گھرانہ صدیوں سے دھرپد گائیکی سے وابستہ چلا آ رہا تھا اور پاکستان بننے کے بعد بھی یہ گھرانہ دھرپد سے اپنی اس دیرینہ وابستگی کو قائم رکھنا چاہتا تھا مگر حالات نے اچانک ایسا پلٹ کھایا تھا کہ تجارتی اشیاء پاک گھی، پاک آئل، پاک کریم اور پاک شربت کی طرز پر پاک موسیقی کا کاروبار بھی شروع ہو چکا تھا اور موسیقار رفیق غزنوی ''پاک موسیقی'' کے لیبل کی ایجاد کا سہرا ریڈیو پاکستان کے سابق ڈائریکٹر جنرل زیڈ اے بخاری کے سر باندھتے ہیں (۱۲) یہ بخاری مرحوم ہی تھے جنہوں

نے موسیقی سے وابستہ مقتدر حلقوں کو اس قسم کے اوٹ پٹا نگ مشورے دیے۔جن کے نتیجے میں موسیقی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا اور یوں پاکستان میں دھر پد گائیکی کی روایت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

تلونڈی گھرانہ کی خیال گائیکی کے پس منظر میں دھر پد کی مضبوط روایات ہمیشہ جھلکتی رہتی ہیں، ان کا زیادہ زور الاپ پر رہتا ہے۔آج بھی ان کی بندشیں شریعت، طریقت اور معرفت کے پس منظر میں ترتیب دی جاتی ہیں، بول تان میں لے کاری ان کا خاصا ہے۔اس گھرانے کے فنکار خیال، دھمار، ٹھمری، کافی اور غزل سبھی اصناف کو وسیلہءاظہار بناتے ہیں۔

چراغ سے چراغ

۱۔ ایوب رومانی، گلشن گیت، ادارۂ ثقافتِ پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص

۲۔ عنایت الٰہی ملک، برصغیر میں موسیقی، مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۸۶

۳۔ رشید ملک، خسرو کا علمِ موسیقی اور دوسرے مقالات، مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۵

۴۔ انجم شیرازی، مبادیاتِ موسیقی، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۴۴

۵۔ پروفیسر شہباز علی، سُر سنسار، علی پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۲ء، ص ۴۳۔

۶۔ وہی حوالہ، ص ۴۳۔

۷۔ وہی حوالہ ص ۴۵۔

۸۔ پروفیسر شہباز علی، کیا صورتیں ہوں گی، قاضی ظہور الحق سکول آف اورئینٹل میوزک، راولپنڈی، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۷۔

۹۔ عنایت الٰہی ملک، برصغیر میں موسیقی، مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۹۷

۱۰۔ سنگیت کاراں دیاں گلاں، مقصود ثاقب، سچیت کتاب گھر، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۷۔

۱۱۔ وہی حوالہ، ص ۱۰۶، ۱۰۷

۱۲۔ پروفیسر شہباز علی، کیا صورتیں ہوں گی، ص ۷۱۔